اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھئے!

چند دن قبل‘ مکہ میں ہونے والا دفاعی معاہدہ حد درجہ اہم ہے۔ پوری دنیا میں زیر بحث بھی ہے۔ ہر جانب‘ اس پر بحث‘ تنقید یا تکریم کا سلسلہ جاری ہے۔ ساتھ ساتھ تجزیوں کا ایک غبار اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جس میں ہر طرح کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ کوئی اسے فرقہ پرستی کی بنیاد پر ایک عسکری اتحاد بتا رہا ہے؟ کوئی اسے مسلم امہ کا ایک حفاظتی حصار قرار دینے میں مصروف ہے؟ متعدد تجزیہ کار‘ اسے ایران یا اسرائیل کے خلاف ایک دفاعی دیوار ثابت فرما رہے ہیں؟ ہوسکتا ہے‘ کہ یہ سب نکات درست ہوں۔ مگر یہ بھی عین ممکن ہے کہ تمام کے تمام‘ جزوی یا حتمی طور پر غلط ہوں؟ بہر حال فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ دلیل کی طاقت پر‘ اس معاہدے کا تجزیہ بہر حال کرنا اشد ضروری ہے۔ بد قسمتی سے‘ منطق کی بنیاد پر تجزیہ ہمارے جیسے ملک کی ذہنی حدود سے قدرے متصادم ہے۔ یہاں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے کسی بھی طور پر غیر اہم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آگے آنے والے واقعات اس معاہدے کے متعلق‘ مہر ثابت کریں گے کہ‘ اس کا اصل مقصد اور محور کیا ہے؟ ابھی تک سب کے لئے ایک سوالیہ نشان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے؟

اہم ترین‘ زمینی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تینوں ملک‘ امریکہ کے بغل بچے ہیں۔ امریکہ پر ان ریاستوں کا انحصار‘ بہت زیادہ ہے۔ امریکہ کی عسکری اور سفارتی طاقت‘ ان ملکوں کی جغرافیائی حدود برقرار کرنے کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ گتھی کی مشکل گرہ تو ویسے بھی کھل جاتی ہے۔ کہ یہ دفاعی معاہدہ‘ امریکی انتظامیہ کی مرضی اور آشیرباد کے بغیر ممکن نہیں ہوا۔ یعنی‘ دیکھا جائے تو امریکہ ہی نے اس کی اجازت دی ہے۔ وہ اس کے پیچھے اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ اگر ہم یہ بات نہیں سمجھنا چاہتے تو چند دلائل خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے آپ کو اپنے سوالات کے جوابات تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ صدر ٹرمپ نے کچھ عرصہ پہلے‘ بلند بانگ طریقے سے یہ بیان دیا تھا۔ کہ اگر امریکہ‘ اپنی قوت‘ سعودی عرب کے شاہی خاندان کے پیچھے سے ہٹا لے‘ تو وہ صرف چوبیس گھنٹوں میں یہ خاندانی بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ یہ پالیسی بیان‘ دنیا کے تمام اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا پر آیا تھا۔ مطلب کیا ہے؟ کہ آل سعود کی طاقت ان کے ملک سے کشید نہیں ہے۔ عوامی سطح پر ان کے خلاف ایک خاموش نفرت موجود ہے۔ بلکہ ان کی اصل قوت کا منبع‘ امریکہ ہے۔ شاہی خاندان نے امریکی صدر کے اس بیان کے بعد‘ کوئی خاص ردعمل نہیں دیا تھا۔ اطمینان سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ سعودی عرب‘ دنیا کی موجودہ سوپر پاور کا طفیلی ہے۔ اور وہ کوئی بھی بڑا فیصلہ‘ ان کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتا۔

ترکی کے معروضی حالات دیکھیں۔ طیب اردگان‘ موجودہ ترکی میں شدید سیاسی مشکلات کا شکار ہیں۔ وہ سیاست میں کب آئے‘ اور اپنے سیاسی تحفظ کے لئے کیسے کیسے ادنیٰ کام کرتے رہے۔ یہ سب کچھ‘ آپ خود پڑھ سکتے ہیں۔ مگر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جو میئر کے طور پر اپنے شہر میں عام لوگوں کے لئے آسانیاں تقسیم کر رہا تھا۔ دہائیوں سے حد درجہ متنازعہ طریقے سے الیکشن جیتتا رہا ہے۔ اپنے سیاسی مخالفین پر ہر طرح کے ظلم روا رکھے ہیں۔ اور عجیب بات یہ بھی ہے۔ کہ جو بھی‘ ان کے مخالف کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی تعلیمی ڈگری جعلی نکل آتی ہے۔ تیسرا الیکشن جیتنے کے بعد‘ اس نے ہر طرح کے عوام دشمن فیصلے کیے ہیں۔ وزیر اعظم کا عہدہ ہی ختم کر دیا۔ ہر طرح کے اختیارات اپنی ذات میں جمع کر لئے ہیں۔ آپ کے لئے یہ شاید حیرانگی والی بات ہو‘ کہ اردگان کی معاشی پالیسیوں نے ترکی کی شرح نمو کو صرف اور صرف تین فیصد تک محدود کر ڈالا ہے۔ آج سے دہائی پہلے یہ گیارہ فیصد کے قریب تھی۔ بینکوں سے سود کی شرح 37 فیصد ہو چکی ہے۔ خود بتایئے کہ اتنے ہوش ربا سود کے ساتھ کون کاروبار کرے گا۔ ملکی کرنسی‘ لیرا مسلسل دباؤ کا شکار ہے۔ ترکی میں مہنگائی کی شرح 30 فیصد کے قریب ہے۔ بے روزگاری بہت بڑھ رہی ہے۔ ساتھ ساتھ ترک صدر اور ان کے خاندان پر مالیاتی کرپشن کے بہت مہیب الزامات ہیں۔ سب کچھ لکھنا تو ممکن نہیں۔ مگر بڑے اطمینان سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ صرف ایک شفاف الیکشن‘ ترک صدر کی سیاست کو ختم کر سکتا ہے۔ اس معاملہ کو ایک اور طرح سے بھی دیکھئے۔ ترکی‘ بطور ملک NATO کا حصہ ہے۔ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر‘ امریکہ کے زیر اثر ہے۔ ساتھ ساتھ‘ اس کے‘ اسرائیل سے بھی قریبی روابط ہیں۔ 2024ء میں اسرائیل اور ترکی کے مابین سات بلین ڈالر کی تجارت تھی۔ جو دو برس پہلے بند کر دی گئی۔ مگر آج تک دونوں ممالک‘ ہر سطح پر سفارتی تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔ یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے ساتھ‘ ترکی کے تجارتی روابط‘ تقریباً دس بلین ڈالر کے قریب ہیں۔ داخلی طور پر مضبوط نظر آنے والا اردگان‘ کسی صورت میں اپنے اقتدار کو جبر اور ریاستی ظلم کے علاوہ برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جہاں تک انڈیا اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے۔ سطحی سے ثبوت آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔ اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے۔ کہ خدانخواستہ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ ہوتی ہے تو کیا ترکی کے لئے ممکن ہوگا کہ ہندوستان کے ساتھ اپنے وسیع معاشی تعلقات ختم کر کے‘ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہو جائے۔ اس کا جواب آپ پر چھوڑتا ہوں۔ مگر آپ جواب بخوبی جانتے ہیں؟

پاکستان کے داخلی حالات اور معیشت سب کے سامنے ہے۔ اس پر کیا بات کی جائے؟ معاشی بدحالی‘ اس قدر خراب ہے کہ ہم عملی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ ریاستی سطح پر اس معاشی دیوالیہ پن جیسا تلخ سچ بولنا‘ ہمارے اکابرین کے لئے ممکن نہیں ہے؟ ویسے بھی ایک حد درجہ غیر مقبول حکومت کبھی بھی حقیقت پسند نہیں ہوتی۔ لوگوں کو سبز باغ دکھانا‘ اس کی سرست میں شامل ہوتا ہے۔ ہمارا ملک‘ انتظامی طور پر بھی کھوکھلا ہو چکا ہے۔ وزیر داخلہ کا اقبالی بیان‘ اس صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ جن نادیدہ قوتوں نے‘ یہ بیان دلوایا ہے‘ وہ سمجھ چکے ہیں کہ موجودہ‘ ناجائز سیاسی سیٹ اپ کسی صورت میں ملک کو ترقی کی طرف گامزن نہیں کروا سکتا۔ اب ایک اور نکتہ کی طرف آیئے۔ امریکہ‘ اسرائیل کی سلامتی کا ضامن ہے۔ جب‘ ان تین ملکوں کے اکابرین نے امریکی انتظامیہ سے اجازت لی ہوگی۔ تو لازم ہے کہ ضمانت بھی دی گئی ہوگی کہ یہ دفاعی انتظام کسی صورت میں اسرائیل کے خلاف استعمال نہیں ہوگا؟ کیا صدر ٹرمپ اسرائیل کو جارحیت کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ بالکل نہیں۔ آج بھی وہ تمام وسائل کے ساتھ نیتن یاہو کے ساتھ جم کے کھڑے ہیں۔ قرین قیاس ہے کہ یہ تینوں ممالک‘ اسرائیل کی جارحیت کے خلاف بھی خاموش رہنے کی گارنٹی دے چکے ہیں؟ یا مصلحت کے تحت‘ خاموش رہنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ تو پھر دشمن کون ہے۔ اس کا جواب حد درجہ پیچیدہ ہے۔ ان تینوں ممالک کے دشمن‘ الگ الگ ہیں۔ ان میں کسی قسم کی مماثلت نہیں ہے۔ مگر ایک نکتہ تو میرے جیسے طالب علم کو بھی سمجھ آ رہا ہے۔ کہ ہمارا دشمن‘ یعنی ہندوستان‘ باقی دونوں ملکوں کا بالکل بھی دشمن نہیں ہے۔ بلکہ ان ممالک کی تو انڈیا سے حد درجہ مضبوط معاشی قرابت داری ہے۔ ہاں‘ یہ تو عرض کرنا فراموش ہی کر گیا۔ کہ سعودی عرب اور ہندوستان کا تجارتی حجم‘ 43 بلین ڈالر ہے۔ تو اب کھل کر بتایئے۔ کہ کون کس کا دوست ہے؟ یہ جواب بھی آپ پر چھوڑتا ہوں۔

ذرا گہرائی سے سوچیے۔ مشرق وسطیٰ میں خلیجی ممالک کس سے بغض رکھتے ہیں؟ وہ صرف اور صرف ایک ہی ملک ہے۔ جس کا نام ایران ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ‘ ایران کے پروکسی گروہ جیسے ہوتی قبائل اور حماس۔ عقیدے کے اعتبار سے یہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو کیا سنجیدگی سے یہ جواب نہیں دیا جاسکتا کہ یہ اتحاد‘ مسلک کی بنیاد پر ایران اور اس کے دوستوں کے خلاف ہے؟ یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہے۔ کہ گذشتہ چند ماہ میں پاکستان اور ایران نے بہترین سفارتی تعلقات قائم کیے ہیں۔ پاکستان نے امریکہ اور ایران کی جنگ کو رکوانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایرانی حکومت اس کی بھرپور طریقے سے معترف بھی ہے۔ پھر یہ سوال کھڑا ہو جاتا ہے کہ ترکی‘ سعودی عرب اور پاکستان کا مشترکہ دشمن کون ہے؟ کون ہے جو ایک پر حملہ کرے گا‘ تو دونوں ممالک اپنی فوج لے کر اس کے دفاع کے لئے سربکف ہو جائیں گے؟ صاحبان زیست! مجھے نہ مشترکہ دشمن نظر آتا ہے؟ اور نہ ہی مشترکہ دفاع؟ شاید میری سوچ ہی غلط ہو۔ اور مجھ جیسے نادان کو وہ کچھ نظر نہ آ رہا ہو جو ہمارے اکابرین کی دور اندیش آنکھ دیکھ رہی ہے؟ تاریخ کا سبق بالکل مختلف ہے۔ ہر ملک اور ریاست کے اپنے اپنے قومی مفادات ہوتے ہیں۔ جو کوئی دوسری ریاست پورے نہیں کر سکتی۔ دفاعی معاہدے کے متعلق تو وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مگر یہ نصیحت کرنا ضروری ہے کہ صرف اور صرف‘ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھئے!